(غلام گردش)

بارش

صبح دم بارش برسنے کی آواز سنائی دی۔ساتھ ساتھ مٹی کی وہ نایاب خوشبو جسکے سامنے فرانس کی بہترین خوشبو بھی ادنیٰ معلوم ہوتی ہے۔باہر دیکھا تو پانی کے قطرے موتیوں کی طرح سبزے پر گر کے جذب ہوتے جارہے تھے۔شائد قطرہ کی زندگی میں مٹی میں ہی ضم ہونا لکھا ہے۔اسی سے سبزہ اور زندگی کی نمو ہوتی ہے۔شیشہ کھولا تو لازوال موسیقی کی آواز کانوں میں رس گھولنے لگی۔بارش برسنے کی آفاقی آواز۔ایک ایسا سُر اور تال جسکی نقل کوئی بھی نہیں کرسکتا۔یہ قدرت کی اپنے ہاتھ سے ترتیب دی ہوئی آفاقی دھن ہے۔کبھی نہ ختم ہونے والی۔ہمیشہ لازوال۔

دو ماہ سے زندگی کی ترتیب پر سنجیدہ غور کررہا ہوں۔ایک دانا انسان سے سوال کیا کہ آخر،انسان کی زندگی میں بے ترتیبی کیسے کم کی جاسکتی ہے۔جواب بہت سادہ مگر پُر تاثیر تھا۔روز وشب کو قدرت کے حساب سے گزارنے شروع کردو۔صبح دم اُٹھنے کی عادت ڈال لو۔خود بخود کئی معاملات ڈگر پر آجائینگے۔مشورہ سادہ تو تھا مگر عمل کرنا بہت کٹھن۔صبح صرف اس وقت اُٹھا جاسکتا ہے جب انسان رات کو جلد سو جائے۔مگر ٹی وی اور دیگر مصروفیات کی بدولت رات کو جلد سونا بہت مشکل سا بن چکا ہے۔جس سے بھی پوچھوں،یہی کہتا ہے کہ گیارہ بارہ یا ایک بجے شب سے پہلے بستر پر جانے کا تصور ہی نہیں ہے۔شائد سحر کو جلد دیکھنا عجیب سا معلوم ہونے لگا ہے۔ہمت کر کے تقریباً ساٹھ دن سے علی الصبح اُٹھنے کی عادت ڈال لی۔اندھیرے کو نور میں بدلنے کا وقت۔جب شب کی تاریکی ایک چادر کی طرح آسمان سے اُٹھائی جارہی ہوتی ہے اور اُجالا دھیرے دھیرے سامنے آتا ہے۔پہلے چند دن تو کافی تکلیف ہوئی۔مگر اب عادت سی بن گئی ہے۔جب کسی کو بتاتا ہوں کہ رات کے کھانے پر ساڑھے نو کے بعد نہیں ٹھہر سکتا،تو کئی لوگ عجیب سے سوال کرتے ہیں۔پوچھتے ہیں،کہ خیریت،کوئی دیگر مصروفیت ہے۔میرا جواب اب حد درجہ پختہ ہوتا جارہا ہے۔جلد سونا چاہتا ہوں۔اسی وجہ سے کامران نشاط کے کھانے پر دو دن قبل جانے میں ناکام رہا۔اشعر شاہ،زاہد اور راجہ آصف کے پیہم اصرار کے باوجود نہ جاسکا۔کیونکہ صبح دم اُٹھنے کا گُر صرف ایک ہی ہے۔رات کو جلد سو جایئے۔

خیر بات تو آج کی ہورہی تھی۔بارش دیکھ کر محسوس کرنے کو بھی دل چاہا۔فیصلہ کیا کہ لارنس گارڈن جایا جائے اور فطرت کو طلوع ہوتے دیکھا جائے۔لارنس گارڈن جسے اب باغِ جناح کہا جاتا ہے۔سو سال سے زیادہ عرصہ پہلے اس خوبصورت باغ کو بنانے والا لارنس ہی تھا۔کافر فرنگی جو لاہور کو ایسا تحفہ دے گیا،جو شہر کے حسن کی وجہ بن گیا۔اب اسکا نام باغ جناح رکھ ڈالا گیا۔معلوم نہیں کیوں،کیونکہ نام تو اسکا ہونا چاہیے جس نے وہ عظیم کام کیا تھا۔شائد ہم بڑے کام کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے لہذا پرانے بلکہ قدیم منصوبوں سے چھیڑ خانی کر کے انہیں دوبارہ کوئی نام دینے کی کوشش کرتے ہیں۔شہروں کے ساتھ بھی مشکل سا سلوک کیا گیا۔لائل پور اچانک فیصل آباد بن گیا۔منٹگمری کا نام بدل کر ساہیوال رکھا گیا۔کمیل پور پُر اسرار طور پر اَٹک کے نام سے منسوب ہوگیا۔مگر اصل داد تو سر لائل اور ان جیسے لوگوں کو دینی چاہیے جنہوں نے نئے شہر بنائے۔اس خطہ کو آباد کیا اور پھر واپس چلے گئے۔لارنس گارڈن میں چلنا شروع کیا تو ہلکی ہلکی

پھوار مسلسل جاری تھی۔ پانی کے قطروں سے لباس بھیگ گیا۔تھوڑی دیر کے بعد ایسے معلوم ہونے لگا کہ بارش کے رم جھم گرتے ہوئے موتی، جسم پر نہیں بلکہ روح پر برس رہے ہیں۔ایک نیا جہان نو جس میں حیرت انگیز خوبصورتی تھی۔جس طرف بھی دیکھا، سبزہ اور فطرت بغلگیر نظر آئے۔ایک صدی سے زیادہ بوڑھے مگر توانا درخت، اس شہر کے وہ نگہبان ہیں جو شہریوں کو بلا معاوضہ زندگی کا جواز فراہم کرتے ہیں۔ چلتے چلتے، ہزاروں سوالات ذہن میں گردش کرنے لگے۔آخر زندگی ہے کیا۔موت کا اسرار کیا ہے۔اگر زندگی کی حفاظت موت کرتی ہے، تو موت کی حفاظت کون کرتا ہے۔ہم بنیادی طور پر کیا ہیں۔کون ہیں۔زندگی کا اصل جواز کیا ہے۔رمز کیا ہے۔جیسے جیسے پھوار میں چل رہا تھا، سوالات کی شدت بڑھ رہی تھی۔دور سڑک پر ایک بوڑھا آدمی پیلے رنگ کی بنیان پہن کر قدرتی پانی سے دھلی ہوئی سڑک کو مزید صاف کرنے کی بے جان سی کوشش کر رہا تھا۔اس اجنبی اور بے نام بوڑھے اہلکار کا ریاست سے کیا رشتہ ہے۔ہماری ریاست اصل میں کیا ہے۔کیا کبھی اس جیسے کمزور اور لاغر طبقہ کی قسمت بدل پائیگی۔اگر سویڈن، برطانیہ اور ڈنمارک میں ریاست واقعی ماں جیسی ہے، تو ہمارے کرخت معاشرے میں یہ سوتیلی ماں کیسے بن گئی۔جس میں نہ کسی کے حقوق ہیں اور نہ کوئی اپنی ذمہ داری پوری کرنے میں سنجیدہ ہے۔مقام حیرت ہے کہ ہم اپنے آپکو انسان گردانتے ہیں۔حالانکہ ہمارے جیسے ممالک میں تو انسان تو صرف چند سو ہی ہوتے ہیں باقی کو انسان نما وہ مخلوق ہے جو ہر طرح کے استحصال کا شکار ہے۔عجیب امر یہ بھی ہے کہ جو لوگ ہمیں برباد کر رہے ہیں، ہمیں باور کروا رہے ہیں کہ وہی ہمارے محسن ہیں۔مزید ستم اور کیا ہوگا۔

بارش میں تاریخ پر نظر گئی تو قرون اولیٰ کے ایک بزرگ و برتر صحابی ابوذر غفاریؓ ذہن میں آ گئے۔انکا نام طالبعلم نے برگزیدہ علماء کی زبان سے بہت کم سنا۔پڑھے لکھے لوگ تو خیر ادراک ہی نہیں کر سکتے کہ وہ عظیم شخص کیا تھا۔یہ حضرت غفاریؓ ہی تھے جنہوں نے اسلام کے اقتصادی نظام کو غریب کے فائدے کیلیے اُجاگر کیا۔جنہوں نے ایک حکمران کے سامنے کھڑے ہو کر کہا تھا "اگر یہ سبز محل حکومت کے پیسے سے تعمیر کر رہے ہو تو خیانت ہے۔اور اگر اپنی ذاتی دولت کو استعمال کر رہے ہو تو یہ سرفہ ہے۔دونوں چیزیں آقاؐ نے ممنوع فرمائی تھیں"۔حکمران لرز کر رہ گیا اور ابوذر غفاریؓ کو ملک بدر کر دیا گیا۔وہ عظیم شخص جو غزوہ تبوک پر پیدل جا رہا تھا کیونکہ سواری کا اونٹ لاغر سا تھا۔پیدل چلتا دیکھ کر آقاؐ نے فرمایا تھا۔ابوذرؓ، آج تم اکیلے ہی چل رہے ہو۔تم دنیا سے بھی اکیلے ہی رخصت ہونگے اور ہمیشہ اکیلے ہی رہوگے۔" آقاؐ کا بتایا ہوا ایک ایک لفظ اٹل تھا۔ابوذرؓ کو انکے خیالات کی بدولت صحرا میں اکیلے رہنے پر مجبور کر دیا گیا تھا۔غور سے دیکھیں تو فلاحی اسلامی اقتصادی نظام کی بنیاد حضرت ابوذر غفاریؓ کے ذہن میں راسخ تھی۔ابوذرؓ کو ہر طرح کی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔اور ہاں! جب وہ اس دنیا سے پردہ فرما گئے تو واقعی اکیلے تھے۔کفن دفن کا انتظام ایک قافلہ نے اچانک آ کر کیا تھا۔دنیا کے تمام فلاحی اقتصادی ماہرین حضرت ابوذرؓ کے خیالات کو بے حد سنجیدہ لیتے ہیں۔آج پوری دنیا میں تمام فلاحی ریاستیں دراصل اسلام کے عظیم پیغام پر ہی عمل کر رہی ہیں۔بارش میں سوچ کا دھارا حد درجہ مدوجزر کا شکار ہو گیا۔اپنے ہی سوالات سے گھبرا کر گھر واپس آ گیا۔پانی اور سنجیدہ سوالات سے شرابور۔اکثر ایسے سوالات ہیں جنکے جواب میرے پاس نہیں۔دانا لوگوں سے پوچھتا رہتا ہوں۔ساجد عمر گل، ڈاکٹر ارشد بٹ اور فرخ گوئندی اس فہرست میں شامل ہیں۔

دودن قبل گوئندی صاحب کے پبلشنگ ہاؤس جانے کا اتفاق ہوا۔حد درجہ اعلیٰ چھپی ہوئی کتابیں دیکھ کر عجیب سی مسرت ہوئی۔ایسی خوشی جو بہت کم نصیب ہوتی ہے۔فرح گوئندی بھی حیرت انگیز شخص ہے۔جوانی میں پہلے اپنے آپ سے لڑتا رہا اور پھر طویل عرصہ غریب آدمی کے حقوق کیلئے شمشیر زن رہا۔آج بھی یہی حال ہے۔اسے ناکامی یا کامیابی سے کوئی سروکار نہیں۔ایک مخصوص سوچ کا اسیر ہے اور اسی طرح زندگی گزار رہا ہے۔عجیب سی بات بتائی۔پبلشنگ ہاؤس میں کام کرنے والے اسکے ملازم نہیں بلکہ خود مختار شراکت دار ہیں۔عجیب سا کاروباری ماڈل۔شائد اسی لیے مہینوں ملک سے باہر بھی رہ لیتا ہے اور غیر موجودگی میں کام بھرپور طریقے سے چلتا رہتا ہے۔اس نمونہ کا چھاپہ خانہ آج تک دیکھنے میں نہیں آیا۔وہیں بیٹھے ہوئے ایک برگزیدہ شخص نے سوال کیا کہ ہمارے ملک یعنی پاکستان کے کیا حالات ہیں۔اس سوال کا میرے پاس اپنی سوچ کے مطابق ایک جواب ہے۔میرا جواب ایک سوال میں چھپا ہوتا ہے۔وہ ہے کہ آپ کونسے پاکستان کی بات کر رہے ہیں۔امیر کے یا غریب کے۔اکثر لوگ اس سوال کے بعد کچھ زیادہ نہیں پوچھتے۔حقیقت یہ ہے کہ اس پیارے ملک میں کئی ملک آباد ہیں۔امیر کا پاکستان اسکے اور خاندان کیلئے امریکہ سے بھی بہتر ہے۔غریب کا پاکستان بالکل مختلف ہے۔تمام عمر ڈھور ڈنگر کی طرح دوسروں کا بوجھ اُٹھا اُٹھا کر عالم عدم کو روانہ ہو جاتا ہے۔شائد آپ کو معلوم ہو، بلکہ آپکو ضرور معلوم ہونا چاہیے۔نئی لینڈ کروزر کی موجودہ قیمت دو کروڑ کے نزدیک ہے۔لاہور میں دو کنال کے اچھے گھر کی قیمت انیس کروڑ سے لیکر بائیس کروڑ تک ہے۔حقیقت عرض کر رہا ہوں۔نہیں یقین آتا، تو کسی سے بھی پوچھ کر دیکھ لیجئے۔سڑکوں پر لینڈ کروزر ہر طرف نظر آ رہی ہیں۔دو چار کنال کے گھر ہر طرف نظر آتے ہیں۔امیر کا پاکستان، غریب کے خواب سے بھی زیادہ خوبصورت، محفوظ اور پُر آسائش ہے۔اسکے برعکس، وہ طبقہ اکثریت میں موجود ہے جسکی شناخت پلاسٹک کے کارڈ سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں ہے۔بحث سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ سوال کرنے والا کس پاکستان کی بات کر رہا ہے۔

کالم کو جلد ختم کرنا چاہتا ہوں کیونکہ دوپہر کو عرفان شامی کیلئے کھانے کا انتظام کیا گیا ہے۔سماجی تقریبات کو بہانے سے ٹالتا رہتا ہوں۔مگر کل دوپہر، فیصل آباد سے ڈاکٹر گابا کا فون آیا کہ ظہرانے میں ضرور حاضر ہونا ہے۔شامی اور ڈاکٹر گابا دونوں میڈیکل کالج کے کلاس فیلو ہیں۔گابا سے میری بات تقریباً دو یا تین دہائیوں کے بعد ہوئی۔یا شائد اس سے بھی زیادہ۔گابا، میرا شہر دار ہے اور امراض قلب کا ایک مستند ڈاکٹر ہے۔طالبعلمی کے زمانے سے ہی ایک سنجیدہ اور محتاط انسان۔کاروباری خاندان سے تعلق رکھنے کے باوجود، روایتی کاروباری شخص بننے سے انکار کر دیا۔کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج میں آ گیا۔یاد ہے، انتہائی کم گو مگر محنتی انسان تھا اور ہے۔ظہرانے کی وجہ یہ ہے کہ عرفان شامی کا تبادلہ ازبکستان میں بطور سفیر ہوا ہے۔شامی، میری طرح ڈاکٹری چھوڑ کر سرکار کی نوکری میں آ گیا تھا۔فارن سروس میں آنے کے بعد بہترین مقامات پر تعینات رہا ہے۔شامی کو تو خیر کیڈٹ کالج حسن ابدال سے ہی جانتا ہوں۔بچپن سے لیکر آج تک جتنی ذہنی توانائی شامی میں دیکھی ہے، کسی اور میں نہیں دیکھ پایا۔

باہر دیکھتا ہوں تو لگتا ہے کہ بارش مکمل طور پر تھم چکی ہے۔مگر اصل بات یہ ہے کہ قیمتی قطروں کی یہ پھوار میری روح اور وجدان میں منتقل ہو چکی ہے!

راؤ منظر حیات